آج کا ایرانی ادب

ایرانیوں کی بہادری کی کہانیاں اگرچہ صحیح طور پر یورپی ناولوں جیسی نہیں ہیں، لیکن یورپی ناولوں کی کچھ مشترک صفات رکھتی ہیں اور ان میں سے ...سی داستانوں کو "شجاعتی ناول" کا عنوان دیا جا سکتا ہے۔

...چاریوں صدی کے آخر میں ایرانیوں نے مختلف قسم کی یورپی کہانیوں سے واقفیت حاصل کی اور ان کی تقلید اختیار کی ہے۔ اس راستے پر آگے آگے ...ناول میں میرزا آقا خان کرمانی، صنعتی زادہ کرمانی اور شیخ موسیٰ ہمدانی جیسے ک... رہے ہیں۔ میرزا آقا خان "مزدک"، "مانی"، "نادر شاہ" اور سلطان حسین صفوی سے متعلق ناول لکھنے میں مشغول تھا لیکن یہ معلوم نہیں ہے کہ اس کا کام اس سلسلے میں کہاں تک پہنچا ہے۔ صنعتی زادہ کا "دام گستران" یا "انتقام خواہان مزدک" نام کا ایک نامکمل تاریخی ناول موجود ہے۔ شیخ موسیٰ نے "کوروش" کے متعلق ایک ناول نما تاریخ لکھی ہے جو فنی قدر و قیمت سے محروم ہے۔

...گر ہم رضا شاہ کبیر کے عہد میں داخل ہوتے ہیں جب ہر چیز جدید ہو رہی ... دور ہے جب ایران میں بکثرت اہل قلم پائے جاتے تھے اور رجحان

کے دلچسپ ناولوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ان میں سب سے پہلے وہ مصنف ہیں جن کے ناولوں کا ہیرو کوئی معروف اور روشن چہرے والا تاریخی شخص ہے۔ اس قسم کا سب سے کامیاب ناول زین العابدین رہنما کا لکھا ہوا "پیامبر" ہے۔ اس کے بعد ہم سعید نفیسی مرحوم کی کتاب "ماہ نخشب" اور ش پرتو کی "پہلوان زند" کو جانتے ہیں۔ سید فخر الدین شادمان، ابراہیم خواجہ نوری اور کہیں کہیں صادق ہدایت کی کتابوں میں بھی چھوٹی چھوٹی تاریخی کہانیاں موجود ہیں۔

محمد علی جمال زادہ، محمد حجازی اور علی دشتی جیسے مصنفوں اور چند دوسرے لوگوں کے ذریعے فارسی میں جدید افسانہ نگاری کا آغاز ہوتا ہے۔ ان تین شخصوں نے اپنے کام میں قابل قدر کامیابی حاصل کی ہے، لیکن افسانہ نگاری صادق ہدایت کے ہاتھوں ایک نیا جلوہ دکھاتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس کا کام "فکر" اور "ایجاد" کی ایک پختہ بنیاد رکھتا ہے اور یورپی ادب کا ایک کمال پیدا کرنے والا تاثر لیئے ہوئے ہے، اور "زندہ بگور" سے "بوف کور" تک اس کے افسانوں میں "تنوع" نظر آتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے تحقیقی کام بھی ہمارے سامنے آتے ہیں۔ صادق ہدایت کے بعد صادق چوبک "خیمۂ شب بازی" اور "انتری کہ لوطیش مردہ بود" نام کے مجموعے لیکر ظاہر ہوتا ہے اور "سنگ صبور" اور "چراغ آخر" تک آگے بڑھتا ہے۔ چوبک ایسا مصنف ہے جو ابھی خاموش نہیں ہوا ہے اگرچہ اس سے زیادہ جوان لوگ افسانہ نگاری کے میدان میں آچکے ہیں چوبک کے ساتھ ہی آل احمد اپنے تنقیدی اور تحقیقی رسالوں، مختصر کہانیوں، افسانوں اور جنگ جو روح کے ساتھ آتا ہے اور ان سب کے ساتھ ساتھ ابراہیم گلستان ابھرتا ہے، شاپور قریب کہانی لکھتا ہے، محمد علی اسلامی ندوشن اس راہ میں آگے بڑھتا ہے، اور فریدون تنکابنی اور ابراہیم صادقی ایسی کتابیں پیش

کرتے ہیں جن میں سے ہر ایک بہت سے پہلوؤں سے تازگی رکھتی ہے۔ جمال میر صادقی کی کتابیں ہاتھوں ہاتھ لی جاتی ہیں، احمد بہزگی نمودار ہوتا ہے اور تیزی کے ساتھ اپنا راستہ بنا لیتا ہے اور اس سے چند سال پہلے "شوہر آہو خانم" نام کا ناول ایران کے معاصر ادب میں لوگوں کی زبانوں پر محمد علی افغانی کا نام پہنچا دیتا ہے اور ایرانی ادب کے فنکاروں میں شمار ہونے لگتا ہے۔ اور آج ہم افسانہ نگاری کے میدان میں نئی امیدیں رکھتے ہیں، ان لوگوں سے جو ابھر رہے ہیں اور شاید انھیں ایام میں درخشاں ہو جائیں۔

آج کے ایرانی ادب میں ایک اور پہلو وہ جو کھلا ہے وہ "ڈراما نگاری" ہے، جو اگرچہ ابھی زیادہ روشن نہیں ہوا ہے پھر بھی اس میں ایسی تازگی ہے جس پر گفتگو کی جا سکتی ہے۔

پہلے مجھ کو اس طرف اشارہ کرنا چاہیئے کہ ایران میں بہت قدیم زمانوں میں بھی تماشا بازی کے سلسلے کی کچھ چیزیں موجود رہی ہیں اور ایران کے لوگ ہمیشہ تاریخ کے جوشیلے واقعات اور گرما گرم روایات کو تماشوں کے ذریعے یاد رکھتے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر "گئوماتِ مغ"، جو کمبوجیہ کے بھائی کے نام سے اس کا جانشین بنا اور ایران کی سلطنت پر قابض ہوگیا اور آخرکار عوام کے ہاتھوں قتل ہوگیا، اس کی یاد میں ایران کے لوگ ہر سال "مغ کشان" کی رسم مناتے تھے اور ایک پتلا بنا کر اس کو آگ لگایا کرتے تھے۔ یا کاووس کے بیٹے سیاوش کے قتل کے واقعہ کو یاد کرتے تھے اور جو کچھ اس پر گزری تھی اس کو بالکل شبیہ بلا کی شبیہ خوانی اور تعزیوں کی طرح اسٹیج پر دکھاتے اور رویا کرتے تھے اور اس کام کو "گریستن مغان" کہتے تھے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایران کے زرتشتیوں نے چوتھی اسلامی صدی تک بھی "گریستن مغان" کی رسم کو فراموش نہیں

کیا تھا۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ یونان اور روم کی طرح ڈرامہ کی تمام شکلیں ایران میں موجود نہیں تھیں، تاہم صنف المیہ (ٹریجڈی) کے پہلے سے ایران میں موجود ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ لیکن یہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ ایرانی سوسائٹی اور ایران کے قدیم فرماں روا تماشے کو تمدن کا ایک عنصر نہیں سمجھتے تھے اور انسانی روح کی تربیت کے سلسلے میں اس کی اہمیت سے واقف نہیں تھے اور مذہب بھی ہمیشہ اس کے مقابلے پر رہا ہے۔ دوسری طرف ایران کیا دیہات اور شہروں کی غربت کی زندگی میں کام کی اتنی ضرورت رہی ہے کہ تفریح کی جگہ بھی کام لے لیتا تھا اور اس سے جو وقت بچتا تھا وہ عبادت میں صرف ہو جاتا تھا، اور تماشہ بازی جس کے لئے بے کار اور رند لوگوں کی ایک جماعت کی ضرورت تھی، اس بازار میں رونق نہیں پاتی تھی۔

قریبی سو سال میں کچھ لوگوں نے کوشش کی ہے کہ تماشہ بازی کے ذریعے اپنے خیالات کی اشاعت اور لوگوں کی معاشرتی تربیت کے لئے فائدہ اٹھائیں۔ یہاں بھی ہمیں فتح علی آخوند زادہ کو یاد کرنا چاہیئے، جس نے پہلے پہل قفقار کے اندر گوگول اور مولیر کے ڈراموں کی ترکی زبان میں ایک طرح کی تقلید کی وہاں کے ایرانیوں کو اس کام سے واقف کیا، اور تیرھویں صدی ہجری آخر میں انھیں نگارشات کو میرزا جعفر قرچہ داغی نے فارسی میں منتقل کیا اور میں چھپایا۔ اس کے بعد میرزا آقا تبریزی نے تین ڈرامے لکھے اور اخبار "اتحاد" میں چھپوائے۔ یہ ڈرامے بہت سادہ اور بہت بار ایک قابل قدر کوشش کا آغاز تھے۔

رضا شاہ کبیر کی بادشاہی کے زمانے میں اس فن نے بھی تمدن کے عناصر کی طرح ترقی پائی اور اس کے لئے ایک ادارہ بھی وجود میں آگیا

کی گئی کہ تفریحی پروگراموں اور اسکولوں کی تقریبات میں بچوں اور نوجوانوں کی کھیل تماشہ کی لیاقت کی بھی تربیت کی جائے۔ اور اسی دوران کچھ نمایاں استعداد رکھنے والے لوگ تماشہ دکھانے اور ڈرامہ لکھنے کی راہ پر لگ گئے جن میں سے رضا کمال (شہرزاد)، حسن مقدم (علی نوروز)، مصطفیٰ اسکوبی، سید علی نصر اور ڈاکٹر مہدی نامدار جیسے لوگوں کے نام اب تک زبانوں پر ہیں۔ اس جماعت کے پہلو بہ پہلو ایک اور جماعت بھی تھی جو دوسرا سماجی خدمات میں لگی ہوئی تھی، ان کے ڈرامے سامنے آئے اور ان کو شہرت حاصل ہوئی۔ صادق ہدایت نے تین ڈراموں کے [illegible] میں "انسانہ آفرینش" [illegible] زیادہ سنجیدہ ہے، سعید نفیسی نے "آ[illegible] نگار نادر شاہ" نام کے ڈرامے سے، اقبال آشتیانی نے "اخوی نا[illegible]" [illegible] کے ڈرامے [illegible] دوسری نگارشات سے، عماد عصار نے "اشتباہات خندہ [illegible]" نام کے ڈرامے [illegible] امیرزادہ عشقی نے "رستاخیز" "سلاطین ایران در [illegible]" [illegible] "[illegible] مرد دہقان" کے نام کے ڈراموں سے، احمد بہار مست نے [illegible] اسنار [illegible] "اقتباسات" سے، صادق چوبک نے "توپ لا[illegible]" [illegible] لحسین [illegible] نے "خروس [illegible]" اور "تاثیر زن ولقمہ شناس" سے [illegible] ڈرامے [illegible] علی نقی [illegible] نے "روز بد" [illegible] حاجی آقا کی نجدہ [illegible] اور [illegible] ڈراموں سے اور ڈاکٹر ابوالقاسم [illegible] نے [illegible] کے ڈراموں اور دوسرے [illegible] قابل [illegible] حکیم نے "چشمہ [illegible]" اور "بہار [illegible]" کے نام کے ڈراموں [illegible] حاصل کی۔

لیکن آجکل ایران میں ڈراما نویسی کے کام میں ایسے لوگ لگے ہوئے ہیں جنہوں نے اس راہ میں زیادہ وسیع اور زیادہ مؤثر کوششیں کی ہیں ۔ ان لوگوں نے یا تو زیادہ لکھا ہے یا ان کے کام اسٹیج پر زیادہ آئے ہیں اور ہنر شناسوں نے ان کو زیادہ پہچانا اور زیادہ پسند کیا ہے ۔ اس جماعت میں سے ہم خاص طور پر بہرام بیضائی اور غلام حسین ساعدی (گوہر مراد) کا ذکر کریں گے ۔ ساعدی کے "چوب بدستہای ورزیل"، "بامہا و زیر بامہا"، "آی بیکلاہ و آی باکلاہ" اور دوسرے قابلِ قدر کام موجود ہیں ۔ بہرام بیضائی کا "پہلوان اکبر می میرد" اور دوسرے ڈرامے اور اس کی ایک قیمتی کتاب "ہنر نمائش در ایران" بھی موجود ہے ۔

ان کتابوں میں جو اس دور کے اہل قلم نے پیش کی ہیں، سیکڑوں تحقیقی اور تاریخی کتابیں بھی ہیں، اور انھیں کے ساتھ ہم کو متقدمین کے شعری اور نثری آثار بھی چھپے ہوئے اور پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ اس راہ میں جس جماعت نے قدم اٹھائے ہیں وہ ان استادوں اور محققوں کی جماعت ہے جس کی محنت نے متقدمین کی محنتوں کے حاصل کو ہمیشگی دیدی ہے، اس طرح کہ ان میں سے ہر ایک نے قدیم ادبی کتابوں کے مخطوطات کو پڑھا ہے اور متعدد مخطوطوں کے مقابلے کے بعد ہر شعر اور ہر نثر کی صحیح ترین صورت کا پتہ لگایا ہے اور غلطی آمیز مخطوطات کو واقعی طور پر صحیح اور مفید شکل دیکر طبع کیا ہے ۔ اس کے علاوہ ان میں سے بہت سے لوگوں نے تصحیح شدہ متن کے ساتھ مختلف مقامات کے مضامین کی تلاش کو آسان بنا یا ہے ۔ ایک دوسری جماعت نے قدیم شاعروں اور مصنفوں کے حالات اور ان کے اسلوب نگارش کے متعلق تحقیق کی ہے اور "عام تاریخ" "تاریخ ادبیات"، اسلوب شناسی اور "ادبی فنون" کے موضوعات

پر کتابیں لکھی ہیں، جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر مفید ہے۔ یہ بات بھی اَن کہی نہیں رہنا چاہیئے کہ فارسی ادب میں تحقیق اور تصحیح کا کام پہلے یورپ کے لوگوں نے شروع کیا ہے۔

ایرانیوں میں سے پہلے پہل محمد قزوینی جیسے لوگوں کو یورپ کے ایران شناسوں سے واقفیت کے نتیجے میں ایسے تحقیقی کاموں کی طرف رغبت ہوئی اور وہ پہلے اشخاص جنھوں نے اس راہ میں قدم رکھے اور ان کی بہت سی تحقیقات یورپ والوں کے کاموں سے زیادہ قیمتی ہیں۔ ان میں سے محمد علی فروغی، حسن پیرنیا، عباس اقبال آشتیانی، محمد تقی بہار، بدیع الزمان فروزانفر، جلال الدین ہمائی، ابراہیم پورداؤد، علی اکبر دہخدا، سعید نفیسی، سید احمد کسروی، اور کچھ دوسرے لوگوں کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ تہران یونیورسٹی کے قیام کے دوران اکابرین میں سے کچھ لوگ یونیورسٹی میں استاد ہوئے اور ان سے ایسے طلبہ تربیت پاکر نکلے جنھوں نے اپنے استادوں کے کام کو جاری رکھا اور تحقیق کے کام میں دقیق علمی طریقوں کا استعمال کیا اور ان کے کاموں میں ایسے نمونے نظر آئے جو پہلی نسل کے کاموں کے مقابلے میں زیادہ بہتر، زیادہ مفید اور زیادہ واضح تھے۔ اس دوسری نسل میں سے ایک مجموعی خیال میں ڈاکٹر محمد معین، ڈاکٹر پرویز ناتل خانلری، ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا، ڈاکٹر عبدالحسین زرین کوب، ڈاکٹر محمد جعفر محجوب، اور کچھ دوسرے لوگوں کے نام ذہن میں آتے ہیں لیکن صرف یہی چند اشخاص نہیں ہیں جنھوں نے ادب اور تاریخ کے موضوع پر تحقیقی کام کیا ہے۔ مگر اس مختصر مضمون میں سب کا حق ادا کرنا ممکن نہیں ہے۔

ان معاصر محققوں کے ذکر کے ساتھ مقالہ نگاری کی طرف بھی ایک اشارہ کردینا چاہیئے۔ طرح طرح کے اخباروں اور رسالوں کی اشاعت ایسی چھوٹی چھوٹی نگارشات

کے وجود میں آنے کا سبب بنی ہے جو ادبی اور فنی حیثیت رکھتی ہیں۔ ماضی قریب کے سو سال میں جن مقالات نے ایران کے اخباروں اور رسالوں کے صفحات کو پُر کیا ہے وہ مختلف موضوعات اور اہمیت رکھتے ہیں۔ ان کا بڑا حصہ وہ تحریریں ہیں جن میں صرف وقتی مسائل پر گفتگو کی گئی ہے اور اپنے زمانۂ تحریر کی مناسبت سے تنقیدی اور معاشرتی بحثوں پر مشتمل ہیں، اور کہیں کہیں ان میں ایسے مضامین بھی ہیں جنکو کچھ مدت گزرنے کے بعد کوئی یاد نہیں کرتا۔ ان مقالات میں کہیں کہیں ایسے نمونے بھی ہیں جو سیاسی مسائل سے تعلق رکھنے کی بنا پر تاریخی سند بن جائیں گے اور بعد میں آنے والوں کیلئے تاریخ کے کسی تاریک گوشے کو روشن کریں گے۔

اہل مغرب کے انداز پر تحقیق و تدقیق کے آغاز کے زمانے میں ہی تحقیقی موضوعات اور زیادہ تر مذہبی، اخلاقی، ادبی اور فلسفیانہ موضوعات پر اخباروں اور رسالوں میں ایسے مقالات بھی شائع ہوئے جن میں سے بہت سے ان موضوعات پر معتبر سند بن سکتے ہیں۔ وہ رہنما کتابیں جو ان موضوعات کے متعلق "فہرست مقالات" کے عنوان سے چھپی ہیں وہ اس قسم کے مقالات کی اہمیت کو ظاہر کرتی ہیں۔